دوّیہ بانی

ایک تھذیبی تجربہ

پروفیسر عارفہ بشریٰ

غضنفر اردو فکشن میں خاموشی سے نہیں بلکہ اجتہاد کرتے ہوئے آواز پیدا کرنے والے قدموں کے ساتھ داخل ہوئے۔ ان کے پہلے ناول ''پانی'' ۱۹۸۹ء کے علامتی اور استعاراتی اسلوب Metaphorical Style نے اردو دنیا کو چونکا دیا تھا۔علامتی زبان و بیان سے تجربہ کرنا کوئی معمولی کام نہیں۔مگران کی مقبولیت نے ثابت کردیا کہ ان کے تجربات بڑی حدتک کامیاب ثابت ہوئے ہیں۔غضنفر نے ''پانی'' کو زندگی اور پیاس بجھانے کی کوشش کو باعزت طور پر زندگی بسر کرنے کی خواہش کو علامت Perceptible Indication بنا کر

پیش کیا ہے۔اس میں متعدد علامتیں ہیں مگر سپاٹ اور چیستاں نہیں، بلکہ پانی تمثیلی پرواز، استعارے، علامت اور داستانی طرز اظہار کے طفیل انتہائی پر اثر اور بامعنی بن گئی ہے اور بعض پہلوؤں سے شاعرانہ نوعیت اختیار کر گئی ہے۔

غضنفر کا ناول ''دوّیہ بانی'' کا شمار بھی عصر حاضر کے اہم ناولوں میں ہوتا ہے اس ناول میں غضنفر نے ہندوستان کے عصری ثقافتی منظر نامے کو اس کی تمام تر خامیوں اور خوبیوں کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ہمہ جہت ترقی کے بڑے بڑے دعووں کے باوجود ہمارا معاشرہ ابھی بھی کس طرح فرسودہ عقائد سے دوچار ہے۔اس ناول میں اس کی ترجمانی بڑی کامیابی سے کی گئی ہے۔ اساطیری انداز میں لکھے گئے اس ناول میں ذات پات کی صدیوں پرانی نفرین کے منفی اثرات کی ترجمانی کی گئی ہے۔

گذشتہ ایک دہائی میں جتنے بھی نئے ناول سامنے آئے۔ ''دوّیہ بانی'' 2000ء ان میں سے کسی ناول سے بھی کم نہیں۔ناول کی روایت اور فنی و جمالیاتی تقاضوں یہاں تک کہ ناول کی جدید ترین شعریات کے نقطۂ نظر سے بھی دیکھیں تو ''دوّیہ بانی'' ایک بڑا ناول قرار پاتا۔دراصل کسی بھی ادب کی سوچ اور فکر کے تاریخی ارتقاء کا جائزہ اس ادب کے تخلیق کاروں کے ساتھ ساتھ قارئین کی ذہنی سطح کا اندازہ لگانے میں بھی مددگار ثابت ہوتا ہے۔غضنفر نے بھی ''دوّیہ بانی'' میں ایک قدم آگے بڑھ کر فرسودہ

عقائد او رنظریات پر چوٹ کرتے ہوئے انسان کی آزادیٔ فکر پر زور دیا ہے۔

''دوّیہ بانی'' کا بنیادی موضوع بھی ذات پات پر مبنی وہ معاشرتی خلیج ہے جسے خود انسانوں نے اعلیٰ اور ادنیٰ کے نام سے پیدا کیا ہے۔ یہ خلیج وقت کے ساتھ ساتھ بھرنے یا کم ہونے کے بجائے عملاً اور زیادہ گہری اور وسیع ہوتی جارہی ہے۔ ''دوّیہ بانی'' میں اس مسئلے کو بنیادی موضوع بنایا گیا ہے۔ اچھوتوں کو گاندھی جی نے ''ہریجن'' کہا تھا۔ ان کا مذہبی استحصال اعلیٰ ذات کے نام نہاد برہمن کس طرح کرتے ہیں۔ ''دو یہ بانی'' میں اس کا پردہ فاش کیا گیا ہے۔

''دوّیہ بانی'' غضنفر کے گذشتہ ناولوں'' پانی'' اور ''کینچلی'' کے برعکس اردو میں دلت ادب کا منظر نامہ تیار کرتا ہوا بالکل الگ گھڑا دکھائی دیتا ہے۔ یہ ناول زمان ومکان کی قید سے آزاد نہیں بلکہ کئی زمانوں پر محیط ہے۔ اس میں ایسی تکنیک کا استعمال کیا گیا ہے۔ جس کے ذریعہ قاری ایک زمانے سے دوسرے زمانے تک ناول نگار کی انگلی پکڑ کر سفر کرتا ہے۔ اس کی تکنیک کئی معنوں میں روایتی ناول کی تکنیک سے مختلف ہے۔ اس کا اسلوب استعاراتی ہے۔ لیکن سادگی سے پُر ''دوّیہ بانی'' (شلوکوں یا دعاؤں) پر مشتمل ٹکڑوں کا استعمال ناول کی فضا کے تقاضوں اور معنی ومفہوم کے لحاظ

سے بہت ہی مناسب جگہوں پر کیا گیا ہے۔

ہزاروں سال سے ہندوستان میں مذہب کی آڑ میں جس طرح انسانی حقوق کی پامالی ہورہی ہے یہ ناول اس کی قلعی کھالتا ہے۔ یہ ناول قاری کو اس ظالم نظام اور اس کے ماننے والوں کی دماغی حالت پر افسوس کرنے کے لیے مجبور کرتا ہے۔ غضنفر نے صدیوں پر محیط اس دکھ درد کو محسوس کر کے اس پر ناول کی عمارت کھڑی کی ہے اور مخصوص برہمن ہندو سماج کی تنگ نظری اور عصبیت Preconception کے خلاف احتجاج کیا ہے۔ ''دوّیہ بانی'' یعنی دیوی اور دیوتاؤں کے ارشادات وفرمودات اس مخصوص سماج کے مطابق وہ پاک اور مقدس باتیں ہیں جو دل ودماغ کو روشن کرتی ہیں اور آدمی کو زندگی گذارنے کا سلیقہ سکھاتی ہیں۔ اچھوت طبقہ کو ''دوّیہ بانی'' سننے کی ممانعت ہے۔ اگر کوئی اچھوت چھپ کر یا کسی اور طرح سے ''دوّیہ بانی'' سن لیتا ہے تو اس کے کان میں منو (منوسمرتی) کے قانون کے تحت سیسہ پگھلا کر ڈال دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اس ناول میں جھگرو چمار اور بالو کے ساتھ ہوا۔ ''دوّیہ بانی'' کا مرکزی کردار بالک برہمن ہونے کے باوجود اس مذہبی کٹراپن Rigescence کی پُرزور مخالفت کرتا ہے۔ بالک ایک اعتبار سے نئی نسل کی روشن خیالی کا اشاریہ ہے۔

''دوّیہ بانی'' میں کہانی بنیادی طور پر جن دو کرداروں کے گرد گھومتی

ہے وہ دادا اور پوتا ہیں۔ دادا استحصالی Exploitation قوت کا نمائندہ ہے اور پوتا اس جبر کے خلاف ایک نیا اعلامیہ Proclamation بن کر ابھرتا ہے۔ یہ پوتا یعنی بالیشور منووادی نظام کے تصورات و مسلمات کے بارے میں مشکوک ہے۔ اس لیے طرح طرح کے سوالوں سے الجھتا ہے۔ مثلاً اچھوت کیا واقعی برہما کے پاؤں سے جنمے ہیں؟ اچھوت کے موری گندی اور ہماری صاف کیوں ہے۔ اچھوت عورتیں بستر پر جگہ پا سکتی ہیں تو زندگی میں کیوں نہیں؟ ''دوّیہ بانی'' سن کر اچھوت میں کیوں تبدیلی آ جاتی ہے؟ چنانچہ وہ اپنے لیے ایک نیا راستہ تلاش کرتا ہے۔ پورے مذہبی، سماجی او رطبقاتی نظام کے پس منظر میں ایک خاص تیور، ایک خاص منضبط فکر کے ساتھ مکمل طور پر دلت کردار اور دلت سماج کو مرکز بنا کر یہ سوالات شاید پہلی بار اردو فکشن میں اٹھائے گئے ہیں۔ اس لیے یہ ناول دراصل ہندو تہذیب کی ان جڑوں کی تلاش ہے جہاں سے نفرت و تفریق کا جارحانہ و برہنہ کھیل شروع ہوا اور مذہب و فلسفہ کے حوالے سے ہمارے معاشرے کا حصہ بن گیا اور جو زندگی کی تلخ حقیقت بن کر آج تک ہمارے معاشرے میں کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔

''دوّیہ بانی'' میں بیک وقت افسانوی، شعری، تمثیلی، علامتی اور استعاراتی اسالیب کا برتاؤ ملتا ہے جو اپنے اندر ایک خاص قسم کی ذہنی کشش

رکھتا ہے۔ ناول کے ابتدائی اقتباسات کا سامنا کرتے ہی قاری ناول کی مکمل گرفت میں آجاتا ہے۔ناول کے مختلف ابواب میں غضنفر نے جو منظر پیش کیے ہیں ان کو قاری اپنے دور کی مناسبت اور سماجی سیاق وسباق میں پرکھے گا اوراس سے نئے نئے نتائج اخذ کرے گا۔یہی خصوصیت اس ناول کو ہر دور میں زندہ رکھے گی اوراسے Out of Date ہونے سے محفوظ رکھے گی ۔ مجموعی طور پر یہ ناول اچھوتا ہے اور فکر کے اعتبار سے اوریجنل Original اسلوب اور علامتی ہونے کے باوجود مؤثر ہے اور قارئین کو متاثر کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے۔

''ہون کنڈ کے چبوترے کے نیچے پتھریلی زمین پر جھگرو کسی بلی چڑھنے والے جانور کی مانند پچھاڑیں کھا رہا تھا۔آنکھوں کے ڈلے باہر نکل آئے تھے۔ چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا تھا' رگڑ سے جسم کی جلد جگہ جگہ سے چھل گئی تھی اوراس سے خون رس رہا تھا۔اس کی کربناک چیخ دور دور تک گونج رہی تھی۔ چیخ سن کر بالک کی سماعت لرزنے لگی۔معصوم دل ودماغ کا ریشہ ریشہ کپکپا اٹھا۔ خوش منظری کی عادی پرسکون آنکھیں ہولناک منظر کو دیکھ کر مضطرب ہوگئیں۔مگر

بابا کے چہرے پر اضطراب کے بجائے اطمینان تھا۔
ان کی آنکھوں میں چمک دمک بھی تھی۔ بابا کے
چہرے کا سکون اور آنکھوں کی چمک دیکھ کر بالک کی
نگاہیں حیران ہوا ٹھیں''۔

(ص ۵)

''دوّیہ بانی'' کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ غضنفر شاعر بھی ہیں ناول میں اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کا مظاہرہ بھی کیا ہے۔''دوّیہ بانی'' کے بول دراصل عمدہ شاعری کا نمونہ ہیں جو شعر کی طرح ہی ذہن کو متاثر کرتے ہیں اور شاعری کے تمام اوصاف سے متصف ہیں۔جیسے.....

''سنو کہ میرے سُر میں تان
سنو کہ میرے بھیتر گان
سنو کہ میرے شبد مہان
سنو کہ مجھ میں گیان دھیان
سنو کہ مجھ سے ہی ابھیان
سنو کہ مجھ سے مکتی موکش
سنو کہ مجھ سے ہی نروان''

(''دوّیہ بانی''۔ ص ۷۔۶)

اس طرح کے غنائیت سے بھرپور اقتباسات ناول میں جگہ جگہ بکھرے پڑے ہیں اور قاری کو ایک خاص سُر اور تال فراہم کرتے ہیں۔ ''دوّیہ بانی'' کے زیادہ تر بول خالص ہندی الفاظ سے تیار کیے گئے ہیں جیسے....

''سنو!

کہ لوکک ایوم اطولک

سنسار کے اسنگک پریویش

تتھاوِسنگیتوں سے

منشیہ کے من میں۔''

(ص ۳۵)

یوں تو پورا ناول ہی اپنے موضوع کی مناسبت سے ہندی زبان اور ہندی اسلوب میں لکھا گیا ہے۔مگر کہیں کہیں ایسی خالص زبان اور خالص ہندی اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں جو ہندی سے نابلد قاری کے لیے مشکل کھڑی کرسکتی ہیں اردو قاری کے لیے بھی ناول کی روانی میں رکاوٹ بن کر سامنے آتی ہیں۔جیسے.....

''ہون ایک پرکار کی پوجا ارچنا ہے۔جس کا ایوجن دیوتا کو رِجھانے منانے' ان کی دیاردرشٹی کو اپنی او رآکرشت کرنے تتھا اپنی کامناؤں کی پورتی کے لیے

کیا جاتا ہے۔ ہون کے آیوجن سے اس میں بھاگ
لینے والوں کو سکھ اور شانتی پراپت ہوتی ہے ساتھ ہی
اسے دیوتا پر کوپ سے مکتی بھی ملتی ہے''۔

(''دوّیہ بانی''۔ص ۶۸)

اس خالص ہندی نثر کا یہ مطلب نہیں کہ غضنفر نے پورے ناول کو اسی اسلوب میں برتا ہے۔ انہوں نے جہاں ایسی دھرم ادھیکاریوں والی ہندی لکھی ہے ' وہیں اردو کی وہ خوبصورت شاعرانہ نثر بھی استعمال کی ہے جو ان کی پہچان رہی ہے۔ اسی طرح عمدہ ہندی اور پُرکشش اردو کے امتزاج سے ''دوّیہ بانی'' کا اسلوب منفرد اور ناقابل فراموش بن گیا ہے۔ مجموعی طور پر ''دوّیہ بانی'' کا اسلوب منفرد دلکش اور دلچسپ ہے اور ناول کے موضوع اور ناول نگار کے نظریہ حیات کو قارئین کے دل و دماغ کی گہرائیوں تک اتارنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ ناول نگار کی وسعت نگاہ' مشاہدہ کی باریکی اور ہندی و اردو زبان کے خوبصورت امتزاج نے اسے ایک شاہکار کا درجہ دے دیا ہے۔ جس کے بغیر اردو ناول نگاری کی تاریخ مکمل نہیں ہوسکتی۔ خیالات کا بتدریج ارتقاء تخلیقی ادب Creative Literature کے لیے لازمی تصور کیا جاتا ہے۔ کسی تخلیقی کارنامے کا تجزیہ کرتے وقت اس کے کلی حسن یا مجموعی تاثر کو ملحوظ رکھنا ہوتا ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھنا

ہوتا ہے کہ اس کا ہر جزو فرداً فرداً بھی اپنے طور پر پُر اثر ہے۔ کسی ایک جزو کی کمی یا زیادتی مجموعی حسن پر اثر انداز ہوتی ہے۔ عظیم تخلیقی کارناموں کی ساخت Edifice ہر ایک کا جزو اپنے طور پر خوبصورت ہوتا ہے۔ فن پارے کی ساخت کی یہی کسوٹی ہے۔ غضنفر کا ناول ''دوّیہ بانی'' اس کسوٹی Benchmark پر پورا اترتا ہے۔

☆☆☆